باب ۱۹۱ [حصہ اوّل]

غزوۂ تبوک

ہلکے ہو یا بوجھل، نکلو

اہلِ ایمان کی جانب سے پر جوش اَنفاق (funding) پر اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر جمادی الثانی ۹ ہجری میں یہ آیہ مبارکہ نازل فرمائی: اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً .... وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (سورۃ البَقَرَۃ) انفاق فی سبیل اللہ، کنجوسی اور سود خوری کی ضد ہے چناں چہ دو چار ماہ قبل نازل شدہ سود کی قطعی حرمت کی آیات کو جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر سُوۡرَۃُ الۡبقرۃ میں بطور آیات ۲۷۵ تا ۲۷۸ درج کروایا تو اُن سے قبل اِس مذکورہ، بعد میں نازل ہونے والی آیہ مبارکہ کو اُن کے سرنامے پر بطور آیہ ۲۷۴ نقش کروادیا! [یاد رہے کہ سُوۡرَۃُ الۡبقرۃ کی کم و بیش ۹۵ فیصد آیات ہجرت کے اوّلین ایّام میں نازل ہوئی تھیں]

باب ۱۹۱

غزوۂ تبوک [حصہ اوّل]

ہلکے ہو یا بوجھل، نکلو، رجب ۹ ہجری

قارئین، جن کی اس کتاب کے پچھلے ابواب میں بیان کردہ گزشتہ ڈھائی برس کے تمام طوفانی واقعات و حوادث (صلح حدیبیہ ذوالقعدہ ۶ ہجری سے فتح مکہ رمضان ۸ ہجری کے بعد ۹ ماہ تک یعنی رجب ۹ ہجری تک) پر نظر ہے وہ جان سکتے ہیں کہ تین پرانے اور ایک نئے کل چار دشمنانِ دین میں سے دو یہود اور مشرکین ختم کیے جا چکے ہیں اور دو (منافقین اور سلطنتِ روم) کے ساتھ کشمکش جاری ہے۔

۱: یہود:

یہود کا اس طرح استیصال ہو گیا ہے کہ اُن کی جھوٹی اور سازشی سیاسی و عسکری قیادت کی صفِ اوّل کو جسمانی طور پر اس کرہ ارض سے خارج کر دیا گیا ہے، اب وہ اللہ کے حضور اپنے جرائم کو بھگتنے کے لیے جا چکے ہیں۔ باقی حجاز میں اُن کے تمام علاقے سیاسی طور پر مغلوب اور جغرافیائی لحاظ سے ریاست مدینہ کا حصہ بن چکے ہیں اور وہ معاشی طور پر باج گزار ہیں۔

۲: مشرکین:

مشرکین قریش اور عرب بدّوؤں نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ خود اور اُن کے علاقے اہلِ اسلام کے ساتھ برابر کے حقوق پا کر ملت اسلامیہ کا حصہ بن چکے ہیں۔

۳: منافقین:

غزوہ بنو مصطلق سے واپسی کے سفر میں واقعہ مریسیع اور واقعہ افک پر سورہ احزاب کی سخت وارننگ [1] کے ذریعے منافقین کا منہ وقتی طور پر بند ہو گیا ہے، پھر عمرے کے لیے مشرکین قریش کے علاقے میں گھس کر

---

۱ لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِي الۡمَدِيۡنَةِ لَنُغۡرِيَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوۡنَكَ فِيۡهَاۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۶۰﴾ مَّلۡعُوۡنِيۡنَ ۚ اَيۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِيۡلًا ﴿۶۱﴾ سُوۡرَةُ الۡاَحۡزَاب

ترجمہ: یہ منافقین اور وہ لوگ جو مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں، اور وہ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے میں ماہر ہیں، باز نہ آئے تو ہم آپؐ کو ان کے خلاف کھڑا کر دیں گے، پھر وہ اس شہر میں تمھارے ساتھ رہنے کا کم ہی موقع پا سکیں گے۔ ان پر چہار سو

منافقین کی توقعات کے خلاف زندہ واپس آجانے ..... اور پھر منافقین کو اپنے ساتھ خیبر نہ لے کر جانے ..... اور پھر عمرۂ قضاءنے ..... اور پھر فتح مکہ نے، اُنھیں اسلام کو ختم کردینے یا مدینے سے مسلمانوں کے نکال دیے جانے سے بالکل مایوس کردیا، جو نو برس قبل اِن منافقین کا اصل ٹارگٹ تھا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ مدینے کے پرانے منافقین کی ایک بڑی تعداد نے اللہ کی توفیق سے اپنے روّیے پر نظرثانی شروع کی ہے جب کہ اِن کے زیادہ بد بخت ایک دوسرے طبقے نے عبداللہ بن ابی کے خالہ زاد بھائی ابو عامر راہب (درحقیقت فاسق) کے توسط سے سلطنت روم سے سلسلہ جنبانی شروع کی ہے اور عبداللہ بن ابی کے مریدوں نے مسجد ضرار بنالی ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ اب مدینے کے منافقین میں اتنا دم خم باقی نہیں رہا ہے کہ مسجد نبوی میں بڑھ بڑھ کر بولیں اور ہر کام میں ٹانگ اڑائیں۔

مدینے میں اس ساری پیش رفت کے باوجود، مرکز سے دور، باہر سارے عرب میں منافقین کی تعداد میں ایک کثیر اضافہ بھی جنم لے رہا ہے۔ سلطنتِ مدینہ کے عروج کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہونے کا جو طوفان اُٹھا ہے اُس میں ایک قابل لحاظ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دل ودماغ کے کامل اطمینان سے نہیں بلکہ معاشرتی دباؤ سے علیحدہ رہنے کی ہمت نہ رکھنے کی بناپر مسلمان ہوگئے ہیں، یوں ایک معقول تعداد منافقین کی پورے عرب میں وجود میں آگئی ہے، یہی وہ تعداد تھی جو فتنہ ارتداد کا شکار ہوئی اور مانعین زکوٰۃ اور نئے مدعیان نبوت کا نوالہ تر بنی۔

۴: سلطنت روم:

حدیبیہ کے بعد اہلِ ایمان کی ایک نئی دشمن معرضِ وجود میں آئی، مصنف انھیں نصاریٰ یا عیسائی نہیں بلکہ 'سلطنت روم' کہنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ نصاریٰ کے سیاسی اور عسکری طبقے نے اسلام کی حقانیت کو محسوس کیا اور اُس میں دل چسپی لی لیکن نصاریٰ کے پادریوں اور راہبوں نے اسلام کی سختی سے مخالفت کی۔ یہ بالکل متوقع تھا، تمام مذاہب میں، مذہب کے اندر درآنے والی خرابیوں کی جڑ اُن کے پیشہ ور علماء اور مذہبی پیشواؤں ہی میں ہوتی ہے۔ نجاشی نے اسلام قبول کیا، لیکن اِن پادریوں کی بناپر ملک کو اسلامی نہ بنا سکا، مقوقس بھی مصر میں اسلام سے قربت کے باوجود قبول اسلام کی جانب نہ بڑھ سکا، اسی طرح فرماں روائے سلطنتِ روم باوجود نبی ﷺ کی رسالت اور حقانیت کے قائل ہو جانے کے، پادریوں اور راہبوں کے شدید ردِّ عمل کی وجہ سے اور اپنی بادشاہت اور اقتدار کو

پھٹکار کی بوچھاڑ ہو گی، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور تعذیب کے ساتھ قتل کیے جائیں گے [دیکھیے کاروانِ نبوت جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۵ اور ۱۴۴-۱۴۵]

خطرے میں دیکھ کر نہ صرف یہ کہ اسلام قبول نہیں کر سکا بلکہ اسلام کے خلاف بے دلی کے ساتھ اقدام کرنے پر بھی آمادہ ہو گیا۔ اُس کی فوج کے سپہ سالار نے اسلام قبول کیا اور اپنے اسلام پر استقامت کے نتیجے میں پھانسی کی سزا پا گیا۔ فوج نے بے دلی اور خوف کے عالم میں موتہ میں مقابلہ کیا اور انتہائی قلیل التعداد دشمن (اسلامی لشکر) سے ڈر گئی اور آرام سے نکل جانے دیا، تبوک کے میدان میں ہرقل باوجود فوج جمع کرنے کے مقابلہ کرنے سے پیچھے ہٹ گیا، وہ کہہ چکا تھا کہ میں آج جس جگہ بیٹھا ہوں کل اس جگہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہوں گے۔

دشمنانِ اسلام کے چار دشمنوں کے بارے میں اوپر دیے گئے تجزیے سے آپ یہ جان چکے ہوں گے کہ یہود اور مشرکین سے نبٹا جا چکا ہے اور منافقین اگرچہ بہت رسوا اور پسپا ہو گئے تھے لیکن سلطنت روم کے ساتھ آویزش اور بے سوچے سمجھے اسلام میں بطور فیشن جوق در جوق بھرتی نے منافقین کو ایک زندگی عطا کی تھی۔ آنے والی سطور میں ہم دیکھیں گے کہ کس طرح روم کے ساتھ جنگ کے اسباب بنے اور اُس کے تناظر میں منافقین نے کیا نئی صف بندیاں کیں اور کس طرح اللہ رب العالمین نے اس معرکے کو منافقین کی پول کھولنے اور اُن کو رسوا کرنے اور ظاہر کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔

سلطنت روم سے کشمکش کی ابتدا

یاد ش بخیر، ذوالحجہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مختلف علاقوں کی جانب جو دعوتی اور سفارتی وفود رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے روانہ فرمائے تھے اُن میں سے ایک وفد شمال کی طرف سرحد شام سے متصل قبائل میں بھی گیا تھا۔ یہ قبائلی لوگ اکثر عیسائی مذہب پر تھے اور رومی سلطنت سے ملحق Annexed تھے۔ ان لوگوں نے ذات الطّلح کے مقام پر اس وفد کے ۱۵ آدمیوں کو قتل کر دیا اور صرف ایک صحابیؓ کعب بن عُمیر غِفارِیؓ بچ کر واپس آ سکے۔ اسی زمانہ میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بُصریٰ کے حاکم شُرَحْبِیل (Sharahbeel) بن عمرو کو بھی ایک خط اسلام کی طرف بلانے کے لیے حارث بن عُمیرؓ کے ذریعے بھیجا تھا، مگر قیصر روم کے گورنر شُرَحْبِیل نے جو کرک پر مامور تھا، نے حارثؓ کو گرفتار کر لیا اور ایک ستون کے ساتھ باندھ کر ان کی گردن اُڑا کے شہید کر دیا۔ شرحبیل بھی عیسائی تھا اور براہِ راست قیصر روم کے احکام کا تابع تھا۔

چناں چہ خیبر اور پھر عمرہ قضاء سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حارثؓ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے جمادی الاوّل ۸ ہجری میں تین ہزار کی فوج زید بن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ کی۔ اندازہ یہی تھا کہ بُصریٰ کی حکومت کے لیے اتنی فوج بہت کافی ہے مگر سلطنت روم نے پوری قوت سے اسلام اور مسلمانوں کو کچلنے کا

ارادہ کیا جس کا مدینے کی حکومت کو وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ جیسا کہ آپ پچھلے اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ رومی سلطنت کی حدود میں گھس کر مسلمانوں نے ایک لاکھ رومی فوجیوں کا مقابلہ کیا اور اُنھیں مرعوب کر کے اور ڈرا دھمکا کے بحفاظت واپس آ گئے۔ انھی دنوں میں سلطنت روم کی عربی فوجوں کے ایک کمانڈر فَروَہ بن عَمَرو الجُذامی نے اسلام قبول کر لیا اور قیصر کے سامنے موت کی سزا قبول کر لی مگر اسلام کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اِن باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومی سلطنت میں شامل شام کے اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل ہی نہیں بلکہ عراق کے پاس رہنے والے نجدی قبائل نے بھی ہزاروں کی تعداد میں اسلام قبول کر لیا، اور نجدی اُس وقت کی دوسری بڑی عالمی طاقت ایران کے زیرِ اثر تھے جو اُن دنوں سلطنت روم سے مار کھا کر اپنے زخم چاٹ رہی تھی۔ اسلام قبول کرنے اور ریاستِ مدینہ سے ملحق ہونے کی رسم جو چلی تو بنی سُلیم (جن کے سردار عباس بن مِرداس سُلَمی تھے) اور اَشجع اور غَطفان اور ذُبیان اور فزارہ کے لوگ بھی اہلِ اسلام میں شامل ہو گئے۔

اِن حالات کے تناظر میں قیصر نے مسلمانوں کو غزوۂ مؤتَہ کی سزا دینے کے لیے بڑے پیمانے پر مدینہ پر حملے کا ارادہ کر لیا۔ یہ ظاہر تھا کہ اگر سلطنت روم جلد ہی مسلمانوں پر ایک فیصلہ کن حملہ کر کے اُنھیں ختم یا محدود نہیں کرے گی تو ایک نہ ایک دن مسلمان رومیوں کو ختم یا محدود کرنے کے لیے نکل آئیں گے وہ شام تک پہنچ ہی چکے ہیں اور روم کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ اگلے برس رومیوں کے جوشِ غضب کی جلتی آگ پر تیل کا کام فتح مکہ اور میدانِ حنین میں بنو ہوازن اور دیگر مشرک قبائل کی عبرت ناک شکست نے کر دیا۔ بالکل جس طرح فتح مکہ سے پریشان ہو کر بنو ہوازن نکلے تھے اسی طرح بنو ہوازن کی شکست پر سیخ پا ہو کر سلطنتِ روم نے مدینے پر براہِ راست حملہ کرنے کے ارادے کو جنگ کی تیاریوں کی شکل دے دی۔ اُدھر رومی سلطنت میں یہ تیاریاں ہو رہی تھیں ادھر پورے عرب میں اِن فتوحات کے زیرِ اثر لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے جس کا مطالعہ آپ ان شاء اللہ اگلے ابواب میں کر سکیں گے۔ قیصر نے رومی باشندوں اور اپنے ماتحت عربوں یعنی آلِ غسان وغیرہ پر مشتمل فوج کو ترتیب دینا شروع کر دیا، وہ سوچ رہا ہو گا کہ جب ہمارے ایک لاکھ مسلمانوں کے تین ہزار کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اب بنو ہوازن میں مسلمانوں کے بارہ ہزار، یقیناً پچاس ہزار ہو چکے ہوں گے اور اُس کے اندازے غلط نہیں تھے اگر مدینے پر چڑھائی کرنے آ جاتا تو شاید پچاس ہزار سے ہی مقابلہ ہوتا۔ اُسے یقیناً تین چار لاکھ فوج درکار تھی اور اُس کی فراہمی میں وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

مدینہ میں پیہم یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ رومی مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن معرکے کی تیاری کر

رہے ہیں۔ مسلمان ہمہ وقت چوکس رہتے تھے اس چوکسی کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ ایک روز سیّدنا عمر بن خطابؓ کے پڑوسی نے کچھ زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تو عمرؓ نے کہا: "کیا رومی آ گئے ؟" ایک مورخ سوچ سکتا ہے ان حالات میں رسول اللہ ﷺ بے خبر نہیں رہے ہوں گے بلکہ ایک بے دار مغز حکمراں کی مانند یقیناً آپؐ نے نوخیز اسلامی ریاست کے دفاع کا کوئی خاکہ ذہن میں ضرور بنایا ہوگا۔ دریں حالات ملک شام سے تیل لے کر آنے والے نبطیوں سے معلوم ہوا کہ قیصر نے ایک لشکر جرار تیار کیا ہے اور روم کے ایک ماہر کمانڈر کو اس کی کمان سونپی ہے، اور وہ ہراول دستہ کے طور پر بلقاء پہنچ چکا ہے، اُس نے اپنے جھنڈے تلے عیسائی لخم وجذام وغیرہ کو بھی جمع کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے صاحبان حل و عقد پر یہ بات واضح ہو گئی کہ قیصر، منافقین اور عرب کے شکست خوردہ مشرکین سب مل کر مدینے کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے در پے ہیں۔ یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ ملک میں قحط سالی تھی، نئی فصل جس پر ساری معیشت کا انحصار تھا وہ آنے والی تھی، پھل بس پکنے ہی کو تھے لوگوں کو پھلوں کی دیکھ بھال چھوڑ کے جنگ پر نکلنے کے لیے آمادہ کرنا بڑا مشکل کام تھا وہ بھی اس قیامت کی گرمی میں اور وہ بھی قیصر روم سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے، جس کا دبدبہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد تمام دور و نزدیک کے علاقوں پر چھایا ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ صورتِ حال کا تجزیہ بڑے سکون اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نبوی جرأت سے فرما رہے تھے۔ آپؐ نے جان لیا تھا کہ اگر رومیوں سے جنگ کرنے میں ذرا بھی کاہلی اور سستی سے کام لیا اور رومیوں کو مسلمانوں کے زیر اثر علاقوں میں گھسنے دیا، تو دین اسلام کے جس پودے کو آپؐ نے اور آپؐ کے مخلص ساتھیوں نے لگاتار ۲۲ برس خونِ جگر سے سینچا ہے وہ مرجھا جائے گا۔ اگر وہ مدینہ تک آ گئے تو اسلامی حکومت کی ہوا اکھڑ جائے گی اور نہ صرف یہ کہ قدیم جاہلیت جس کو آپؐ نے حرم پر قبضہ کر کے ختم کیا ہے جدید ساز و آہنگ اور عیش کوشی والی جاہلیت کی شکل میں حرم کعبہ کو بھی اپنے احاطے میں لے لے گی، عربوں کے وہ علاقے جو تاریخ میں کبھی غیروں کی غلامی میں نہیں آئے تھے، اُن کے رومیوں کی غلامی میں چلے جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔

آپؐ نے بغیر کسی تامل کے فوراً فیصلہ کیا کہ ہم آگے بڑھ کر روم پر حملہ کریں بجائے اس کے کہ وہ یہاں آئیں اور ہم کسی طور دفاع کریں۔ لاکھوں کی فوج کا خندق سے نہیں عزم و ہمت سے مقابلہ ہوتا ہے، وہ عزم و ہمت جو حمزہؓ، مصعبؓ اور ابودجانہؓ نے اُحد میں اور زیدؓ، جعفرؓ، رواحہؓ اور بن ولیدؓ نے موتہ میں دکھائی تھی۔ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ معاشی حالات خواہ کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں کہ اگر اسلامی ریاست بچ گئی تو کل معاشی

حالات ٹھیک ہو جائیں گے، اور سفر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو اور گرمی کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو میں اپنے ساتھیوں اور ماننے والوں کو لے کر خود قیصر کے مقابلے پر جاؤں گا۔ آپؐ نے اعلان فرمادیا کہ روم سے جنگ کرنی ہے۔ پہلے تمام غزوات میں تو آپؐ کا یہ طریقہ رہا تھا کہ آخر وقت تک کسی کو نہ بتاتے تھے کہ کدھر کا رُخ ہے اس مرتبہ واضح الفاظ میں بتادیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف چلنا ہے، دشمن راہ میں ملے تو وہیں، وگرنہ اُس کا سر اُس کے گھر میں گھس کر جہاں وہ جمع ہوا ہے وہیں پہنچ کر کچلنا ہے۔

زیرِ نگیں تمام قبائل عرب اور مکہ والوں کو بھی پیغام دیا کہ جنگ کے لیے نکل پڑیں۔ لوگوں کو ہدایت کی کہ قیامت کی گرمی میں پندرہ روزہ طویل اور پیچیدہ سفر کی جو بھی تیاری کر سکتے ہوں بس کر لیں، ہلکے ہوں یا بوجھل، تیاری ہو یا نہ ہو نکل پڑیں۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر لوگوں کو جہاد اور اس مقصد کے لیے ممکنہ حد تک فنڈ مہیا کرنے اور اللہ کی راہ میں اپنا محبوب ترین اور قیمتی ترین مال خرچ کرنے کی اپیل کی، اِس کی فضیلت بیان کی اور بڑی شدت کے ساتھ اس کی رغبت دلائی۔ امکان تھا کہ بیس پچیس ہزار کا لشکر تیار ہو جائے گا، اتنے بڑے لشکر کے لیے کم سے کم پندرہ روزہ سفر میں بار برداری، سامانِ جنگ، خوراک اور پینے کے لیے پانی کا انتظام؛ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، خاص طور پر قحط سالی اور شدید گرمی کے دنوں میں۔ ہم دیکھیں گے کہ پورے عرب میں پھیلے ہوئے اہلِ ایمان نے جنھیں اسلام میں داخل ہوئے ابھی کچھ وقت بھی نہیں ہوا تھا، پورے اخلاص اور جاں نثاری سے ساتھ دیا۔ توقع سے بھی زیادہ لوگ ساتھ چلے، تیس ہزار سے زائد کا لشکر اللہ کے رسولؐ، خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کی قیادت میں روم سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ کسی کو کوئی تنخواہ نہیں ملنی تھی اور وہ ایک تنخواہ دار فوج سے لڑنے جا رہے تھے۔ پاکستانی مسلمان جانتے ہیں کہ سابق مشرقی پاکستان، افغانستان اور کشمیر میں بے تنخواہ مجاہدین نے وہ کارنامے انجام دیے جو تنخواہ دار فوجیں انجام نہیں دے سکتیں۔

منافقین جو معرکہ خیبر اور عمرہ قضاء کے بعد اپنی کسی بھی کامیابی سے مایوس ہو چکے تھے موتہ کے بعد سے جاگ اُٹھے تھے، منافقین کی ساری امیدیں اب رومیوں سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ واقعہ افک کے بعد مسلمانوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دے دیا تھا کہ آئندہ ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے اور اِن زیرِ آستین چھپے ہوئے منکرین حق کے ساتھ وہی سخت برتاؤ روا رکھا جائے جو کفار کے ساتھ ہوتا ہے۔ چناں چہ اللہ کے حکم کی یہی اطاعت تھی جس کے مطابق نبی ﷺ کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ سُوَیلِم کے گھر میں مسلمانوں کو شرکت جنگ سے باز رکھنے کی کوششوں کے لیے منافقین جمع ہوتے ہیں، آپؐ نے اُس کے گھر کو آگ لگوادی۔

عبداللہ بن ابی کا خالہ زاد بھائی ابو عامر فاسق رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے اور حملے کے لیے اُنھیں 'مفید 'مشورے دینے کے لیے شام چلا گیا اور عبداللہ بن ابی کے مریدوں نے مدینے میں ایک مسجد کی شکل میں (جو تاریخ میں مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے) سازش کا ایک مرکز قایم کیا، جس کی غرض و غایت اہلِ ایمان کے درمیان مایوسی اور مہاجر و مقامی لوگوں کے درمیان تعصب و عداوت پیدا کرنا تھا۔ اس مرکز کے ذریعے اُنھوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو گفت و شنید کا ایک پلیٹ فارم اور باہر سے آنے والے اپنے ہم مشربوں کے لیے مہمان خانہ مہیا کیا اور چالاک ایسے تھے کہ اس مرکز پر تقوے اور اخلاص کا ملمع چڑھانے کے لیے درخواست کی کہ رسول اللہ ﷺ اس میں ایک نماز پڑھا دیں۔ وہ اس لیے ایسا چاہتے تھے تا کہ اس مرکز سازش و عناد کو باقاعدہ طور پر سرکاری منظور شدہ مسجد کا درجہ مل جائے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے جو خود روم سے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو منظم کرنے اور جنگی وسائل مہیا کرنے میں بے انتہا مصروف تھے، اس ''مسجد'' میں نماز کی ادائیگی کو جنگ سے واپسی تک کے لیے مؤخر کر دیا۔ اس طرح منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

منافقین رومیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی شکست کا انتظار کر رہے تھے اور پُر امید تھے کہ رومیوں کا لشکر ٹڈی دَل کی مانند مدینے پر خون ریز حملے کر رہا ہو گا ہم 'اللہ والے درویش 'اپنی مسجد سے نکل کر مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ رہے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ کہ ہمیں اُن پر حملے کے لیے گرمی میں شام کی طرف جانا ہے، اُن پر بجلی بن کر گرا، اب اپنے نفاق کو کس طرح چھپائیں؟ ایک کے بعد ایک مجہول سے عذرات لے کر آپؐ کے پاس جہاد پر جانے سے رخصت حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ آپؐ نے اپنی نرم خوئی کی بنا پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ کم بخت منافق ہیں اگر ساتھ چلے تو ہر روز نئے گل کھلائیں گے اِن کو اجازت دی تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کی کہ اِن منافقوں کے ساتھ اب کسی قسم کی کم زوری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جہاد منافقین کو پہچاننے کے لیے ایک کسوٹی بن گیا۔ منافقین اس جہاد پر نکل ہی نہیں پائے اور پہچانے گئے۔ اور اللہ نے اِن نام نہاد مسلمانوں کی ناپاک نام نہاد مسجد، مسجدِ ضرار کا پردہ واپسی سے پہلے ہی وحی کے ذریعے چاک کر دیا۔ چناں چہ تبوک سے واپس تشریف لاتے ہی نبی ﷺ نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد ضرار کو ڈھانے اور جلا دینے کا حکم دے دیا۔

مخلص مسلمانوں نے جونہی رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم سُنا کہ رومیوں سے جنگ کے لیے اللہ کے رسولؐ نے پکارا ہے، وہ جھٹ اس کی تعمیل میں اس طرح دوڑ پڑے گویا وہ اس ہی کام کے لیے پیدا ہوئے اور اس وقت اسی کام

کے لیے زندہ تھے۔ سارے پروگرام اور ساری مصروفیتیں یک لخت منسوخ نہیں بھلادی گئیں کہ کہیں جہاد میں یاد نہ آئیں، وہ سر کے بل جہاد میں شرکت کے لیے دوڑ پڑے اور جنگ کی بھرپور تیاری شروع کر دی۔ حجاز کے طول و عرض میں آباد قبیلے کے قبیلے اور برادریاں ہر چہار جانب سے مدینہ میں اترنا شروع ہو گئیں۔ اللہ نے اُن کے لیے جہاد پر جانا آسان کر دیا۔ کسی مسلمان نے اس غزوے سے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا سوائے منافقین کے۔ گنتی کے چند مخلص سستی کا شکار ہوئے جن سے بعد میں سخت باز پرس ہوئی اور پھر سزا ملی۔

بیشتر مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ غریب اور فاقہ کش لوگ آتے، اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کے لیے سواری فراہم کر دیں۔ تاکہ وہ بھی رومیوں سے ہونے والی اس جنگ میں شرکت کر سکیں۔ اور جب آپ ﷺ ان سے معذرت کرتے کہ میں تمھارے لیے سواری نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔

اُن دنوں عمرؓ کے پاس عام دنوں سے زیادہ مال موجود تھا۔ وہ ہمیشہ ابو بکرؓ سے نیکی میں سبقت کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے تھے، گمان کیا کہ آج میں ابو بکرؓ سے یقیناً جیت جاؤں گا، اپنے سارے اثاثوں کو نصف نصف تقسیم کیا ایک حصہ اپنے پیچھے گھر کی ضروریات کے لیے چھوڑا اور ایک حصہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہی وہ موقع تھا جب صدیقِ اکبر اپنا سارے کا سارا اثاثہ لے کر اُن سے پہلے مسجد میں قدم رکھ چکے تھے۔ اللہ کا رسولؐ اپنے دوست کو اور اُس کی استطاعت کو جانتا تھا، یقیناً جان گیا کہ بندہ اپنے رب کے لیے سب کچھ لے آیا ہے۔ پوچھا کیا لے آئے اور کیا چھوڑ آئے، دوست نے بتایا کہ سب کچھ لے آیا ہوں اور ہمیں اللہ اور اُس کا رسولؐ [یعنی اُن کی خوشنودی اور اطاعت] کافی ہے۔ عمرؓ جان گئے ہوں گے کہ وہ جس نے ایک رات غار ثور میں نبیؐ کے ساتھ بسر کی تھی، اُس رات کا فیض ہے کہ عمرؓ اُس سے نیکی میں کبھی نہیں جیت سکتے، وہ افضل البشر بعد از انبیاء تھا۔

اُن دنوں سیّدنا عثمان بن عفانؓ نے ملک شام کے لیے ایک تجارتی قافلہ تیار کیا تھا وہ اُنھوں نے سارا کا سارا جہاد کے لے صدقہ کر دیا۔ اسی طرح عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے قابل رشک کثیر مال اللہ کی راہ میں لُٹا دیا۔ نادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن دن بھر محنت مزدوری کر کر کے جو کچھ کھجوریں کما لاتے وہ پیش کر دیتے اور آپؐ اُنھیں جمع شدہ ڈھیر کے اوپر بکھیر دیتے گویا یہ امیروں کے لاکھوں سے برتر ہیں۔ عورتوں نے اپنی بالیاں، چوڑیاں اور پازیب اُتار اُتار کر دے دیے۔

اہلِ ایمان کی جانب سے پر جوش اَنفاق (funding) پر اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر جمادی الثانی ۹ ہجری میں یہ آیہ

مبارکہ نازل فرمائی: اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً .... وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (سورۃ الۡبَقَرَة) انفاق فی سبیل اللہ، کنجوسی اور سود خوری کی ضد ہے چناں چہ دو چار ماہ قبل نازل شدہ سود کی قطعی حرمت کی آیات کو جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر سُوۡرَۃُ الۡبقرۃ میں بطور آیات ۲۷۵ تا ۲۷۸ درج کروایا تو اُن سے قبل اِس مذکورہ، بعد میں نازل ہونے والی آیہ مبارکہ کو اُن کے سرنامے پر بطور آیہ ۲۷۴ نقش کروادیا! [یادرہے کہ سُوۡرَۃُ الۡبقرۃ کی کم وبیش ۹۵ فیصد آیات ہجرت کے اوّلین ایّام میں نازل ہوئی تھیں]

اس جوش وخروش اور بھاگ دوڑ کے نتیجے میں تیس ہزار جاں نثاروں کا لشکر تیار ہوگیا، منافقین نے انتہائی کوشش کی کہ کچھ نہ دیں لیکن دکھانے کے لیے کچھ نہ کچھ دینا ضرور تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِن کے صدقات اللہ کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہیں ہیں۔ منافقین زیادہ فنڈ دینے والوں کو کہتے کہ یہ ریاکار ہے اور کوئی تھوڑا مال (چند کھجوریں) لاتا تو اُس کے لیے کہتے کہ دیکھو بھائیو، قیصر کی مملکت فتح کرنے کے لیے یہ ٹڈی کی ٹانگ لایا ہے! اُن کی یہ ساری باتیں اُن کی اپنی محفلوں میں یا سرگوشیوں میں ہوتی تھیں، وہ دن لَد گئے تھے جب وہ اعلانیہ مسلمانوں کا مذاق اڑا سکتے تھے۔ یہ موقع عملًا ایمان اور نفاق کے امتیاز کی کسوٹی بن گیا تھا۔

سلطنت روم پر حملے کی یہ تیاریاں جاری ہیں اسی دوران اللہ، رب العالمین کی جانب سے روح الامین قرآن مجید کی کچھ آیات لے کر نازل ہوتے ہیں۔ جو سُوۡرَۃُ التَّوۡبَة کی آیات ۳۸ تا ۷۳ مصحف میں درج کی گئیں۔ اگلی آیات ۷۴ تا ۱۲۹ تبوک کی اس مہم سے واپسی پر نازل ہوئیں۔ اور پہلی ۳۷ آیات سب سے آخر میں ذوالحجہ کی پہلی تاریخوں میں نازل ہوئیں، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حج کا قافلہ جاچکا تھا، علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے پیچھے بھیجا گیا کہ یہ آیات اجتماع حج کے سامنے سُنادی جائیں۔

ضروری ہے کہ اِن آیات کا پورے غور وغوص سے مطالعہ کرلیا جائے کیوں کہ، یہی آیات تھیں جنھوں نے چوتھے دشمن (سلطنتِ روم) سے نبٹنے کے ساتھ ساتھ اسی مہم میں تیسرے دشمن (نفاق کا شکار نام نہاد مسلمان) کا قلع قمع کرنے کا کام بھی شروع کرادیا، یوں یہ مہم تشبیہ بلامشبّہ، عوامی سرمایہ دارانہ محاورے میں "ایک ٹکٹ میں دومزے" والی بات نہیں تھی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ "مومن کی ایک گولی سے دو دشمن فنا کا شکار" ہوئے! منافقوں کو اس غزوہ میں بڑی شرمندگی اور شرم ساری اٹھانی پڑی تھی، اس وجہ سے غزوہ تبوک کو غزوہ فاضحہ (رسوا کرنے والا غزوہ) بھی کہا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆